سربراہ مملکت کی ذمہ داری اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد علی*

Islam, being the guidance of all walks of Human life, direct, even Muslim the rulers to perform their duties in consonance with the teaching of Quran and Sunnah. There are many verses in the Holy Quran which directly addresses to the rulers, As far as Sunnah of Prophet (PbAh) is concerned, may narrators which highlights the requirements a ruler should keep in mind. Most of the duties and rights of the ruler are directly expressed but some of them expressed indirectly. It is the duty of the ruler to maintain rights of life, property, freedom for conscience, freedom for religion and honour of his subjects the detailed discussion replete with arguments in this article emphasizing the many modern human rights laws has been extracted from Islamic teaching.

ریاست میں حاکمیت واقتدار اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیے خاص ہے۔اس کی تعلیم آپؐ نے آغاز بعثت سے دی اور اس کی عملی تعبیر ریاست مدینہ کے قیام کے بعد جملہ امور ریاست میں نظر آتی ہیں۔حاکمیت الٰہی کا یہی بنیادی اصول اسلامی ریاست کو دنیا کی دوسری تمام ریاستوں سے انفرادیت عطا کرتا ہے۔اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ ریاست ومملکت کا قیام وبقاء حاکمیت کے بغیر ناقابل تصور ہے۔نیز حاکمیت کا مفہوم اور علم سیاست کی رو سے اس کی تعریف وخصوصیات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کوئی انسان یا انسانی ادارہ صفات حاکمیت سے متصف نہیں ہوسکتا۔

''جس کا ہر حکم علی الاطلاق قانون کا درجہ رکھتا ہو اسے افراد ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں اور تمام باشندے اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہوں اس کے اختیارات حکمرانی کا اس کو اپنے ادارے کے سوا کوئی خارجی چیز محدود کرنے والی نہ ہو۔افراد کو اس کے مقابلہ میں کوئی حق حاصل نہ ہو وہ اپنی ذات میں قادر مطلق ہو جو کچھ کرے وہی چیز صحیح ہو کوئی تابع اس کو غلط قرار نہ دے سکے اس لیے ناگزیر ہے اسے سبوح قدوس اور منزہ عن الخطا ،مانا جائے خواہ وہ ایسا ہو یا نہ ہو۔[1]

نتیجتاً جو بات سامنے آتی ہے اور حقیقت کے قریب ترین بھی ہے کہ مقتدر حقیقی اور حاکم وقانون ساز انسان کی بجائے اللہ کو تسلیم کیا جائے۔کیونکہ ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی اور زمان ومکان کی حدود سے

* چیئرمین/ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور۔

متجاوز ہو ایک انسان یا ادارہ تو کجا پوری نوع انسانی کو بھی میسر نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حاکمیت الٰہی کا وہ اصول جو ریاست نبوی کا سنگ بنیاد ہے ریاست کے تمام شعبہ جات اور وزارتوں کا جامع اور باہم مربوط کرنے والا ہے اور تمام جزئیات وتفصیلات کے ساتھ ایک مکمل اور جامع نظریہ ہے جس کی اغیار بھی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر گلیل کہتا ہے"حاکمیت کے اصول کا براہ راست نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حاکم اعلیٰ کے جتنے محکوم ہوتے ہیں ان میں بڑائی چھوٹائی نہیں رہتی اس لیے کہ وہ سب ایک ہی قانون کے پابند ہوتے ہیں۔۲

مزید اسلام کے نظریہ حاکمیت کی افادیت کے بارے لکھتا ہے۔"اسلام نے انتہائی مرکزیت کا پرچار کیا اور سب سے بڑا مرکز ایک خدا کو قرار دے کر اس کو ملک یعنی تمام اقتدار کا سرچشمہ بنایا اسی لیے جتنی مساوات اسلام میں پائی جاتی ہے اس سے زیادہ مساوات مشکل ہی سے کسی دوسرے سلسلے میں نظر آئے گی"۳

ہر نظام کے لیے مرکزی ذات کا ہونا از حد ضروری ہے جس کا حکم ماننا ہر شخص اپنا فرض سمجھے جسکی اطاعت محض قانونی ہی نہیں بلکہ مذہبی تقدس کے ساتھ کی جائے تو وہ نظم قائم ودائم رہتا ہے۔ حاکیت الٰہی کا نظریہ ان تمام ضرورتوں کو پورا کرتا ہے کیونکہ اس ضمن میں ایک ہستی کا اعتقاد، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ سیاست وسلطنت کا مبداء اور عادلانہ تدبر کا مرجع اول ہے اور یہ ایک ایسی مرکزی وحدت ہے جس کے نام پر قوموں، امتوں ملتوں، ملکوں اور مملکتی طبقوں اور جماعتوں، مذہبوں اور سیاسی مسلکوں کی تمام ذیلی تقسیمیں مل کر ایک ہو جاتی ہیں اور عالمگیر وحدت کا اظہار ہوتا ہے اور اسی نظریہ پر وجود میں آنے والی تنظیم غایت درجہ کی مرکزیت کی حامل ہوتی ہے۔ حاکیت الٰہی کا یہ نظریہ صرف کائناتی حد تک محدود نہیں بلکہ سیاسی، قانونی، اخلاقی، اعتقادی، فطری اور حقیقی بھی ہے۔ جملہ اقسام کی حاکیت کا مبداء اللہ تعالیٰ کو ہی ٹھہراتا ہے۔

ذلکم اللہ ربکم له الملك ،لا الٰہ الا ھو فانی تصرفون.۴

"یہی تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے پھر تم کدھر پھرے جا رہے ہو" بلکہ توازن کی رو سے اگر کوئی اللہ کی سیاسی وقانونی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا صرف فطری وکائناتی حاکیت کو ماننے پر اکتفاء کرتا ہے تو اس کا یہ نظریہ باطل قرار دیا گیا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الکفرون.۵

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الظلمون.۶

ومن لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الفسقون ۔۷۔

یعنی اس نظریہ کے حامل کو منکر، فاسق اور ظالم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ درج ذیل آیات مبارکہ میں نظریہ حاکمیت الٰہی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

الا لہ الخلق و الامر ۔۸۔

اللہ محض خالق ہی نہیں بلکہ آمر اور حاکم بھی ہے۔ یعنی وہ جس طرح

ربّ العالمین ۹۔

ربّ الناس ۱۰

ملک الناس ۱۱

اللہ تعالیٰ کی حکومت و اقتدار محض وقتی اور عارضی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے کیونکہ وہ خود زندہ قائم ہے اورازلی وابدی حیات اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔۱۲ یعنی اسکی حاکمیت ہمہ گیر ہے۔

دین و دنیا پر محیط ہے شرکت غیر سے پاک ہے۔۱۳

مختصر یہ کہ جملہ اختیارات، فرمانروائی اور ہر قسم کی حاکیمت اور ہر طرح کی مملکت و مالکیت کے تمام حقوق صرف اللہ تعالیٰ رب العالمین کو حاصل ہیں۔۱۴

کیونکہ حاکیمت حقیقت میں اس حکومت کو نہیں کہتے جو کسی کا عطیہ ہو جو کبھی باقی اور کبھی سلب ہو جاتی ہو جو کسی دوسری قوت سے خطرہ لاحق ہو سکتا ہو۔ جس کا قیام و بقاء عارضی ہو اور اس جس کے دائرہ اختیارات کو بہت سی دوسری متصادم قوتیں محدود کرتی ہوں۔ لہذا فی الواقع اللہ کی حاکیمت اپنے کسی محدود یا مجازی معنی میں نہیں بلکہ اس کے پورے مفہوم کے لحاظ سے حاکیمت و بادشاہی ہے بلکہ حاکیمت درحقیقت جس چیز کا نام ہے اگر وہ کہیں پائی جاتی ہے تو صرف اللہ کے اقتدار اعلیٰ میں ہی پائی جاتی ہے۔ وہ کائنات کے تمام حاکموں کا حاکم اور سب سے بڑا حاکم ہے۔۱۵

اس کا کوئی نہ مماثل ہے نہ ہمسر۔۱۶

نہ اس کی ذات وصفات، اختیارات وحقوق میں سے کسی چیز میں بھی کوئی دوسرا حصہ دار ہے۔

اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہی وہ نظریہ اور خیال تھا جس نے ایک ایسی بے نظیر، خدا ترس قوم کی تشکیل کی جس کا ہر فرد امر

بالمعروف ونہی عن المنکر کا علمبردار اور دوسرے کلمہ گو بھائی کے برابر تھا اور جس کے تمام امور ذاتی اور حکومت کی ذمہ داریاں، تدبر و تنظیم، تعلیم و تبلیغ، تعمیر و اصلاح، صلح جنگ اور تمام معاہدے اللہ ہی کے نام سے شروع ہوتے تھے اور اللہ ہی کے ضمانت پر ختم کیے جاتے تھے۔ یہی وہ تصور حقیقی اور سچا عرفان تھا جو اسلام نے تصور حاکمیت کے بارے میں پیش کیا اور یقین دلایا کہ خدا کی حاکمیت کے انکار سے دنیا میں کوئی اچھی حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ 1 ہجری میں ایک ریاست قائم فرما کر عملاً نافذ کیا۔ یہ امر طے ہو جانے کے بعد کہ ریاست نبویؐ میں اقتدار اعلیٰ امر طے ہو جائے کہ بعد کہ ریاست نبوی میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت صرف اللہ کو ہی حاصل تھی رسول اللہ کی حیثیت حاکم حقیقی اور مقتدر اعلیٰ کے نائب اور خلیفہ کی قرار پائی۔ تو اس ضمن میں رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کی شہادت بدرجہ اتم موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری حیات طیبہ کی جملہ امور میں جد و جہد کا مرکزی نقطہ اور محور یہی تھا کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے حکومت کا اصل حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ اور ماخذ اس کی شہادت دیتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق رسول اللہ انسانیت کے معلم و مربی۔ ۱۷

پیشوا اور نمونہ تقلید۔ ۱۸

ہونے کے ساتھ شارح کتاب اللہ بھی تھے۔ ۱۹

یعنی آپؐ کے فرائض رسالت میں تھا کہ قانون الٰہی کی توضیح کریں اور اس کے مطابق حکم جاری کریں۔ ۲۰

بلکہ آپ کو یہ بھی ہدایت ملی تھی کہ جیسا حکم آسمانی ہے ویسا ہی اطلاق کریں۔ ۲۱ اور ہاں ایک محدود دائرہ میں تشریع و قانون سازی کے اختیارات بھی آپ کو حاکم حقیقی کی طرف سے دیے گئے تھے۔ ۲۱

قانون کی پاسداری

کتب و احادیث سے ثابت ہے کے آپؐ نے اپنے آپ ؐ کو قانون سے بالاتر نہ سمجھا اور نہ ہی آپ کو یہ استثنا حاصل تھا کہ اپنے آپؐ کو مستثنیٰ کرلیں ان امور سے جو حاکم حقیقی کی طرف جاری کیے گئے۔ ۲۲

یہاں تک کہ ذاتی معاملات میں حلال و حرام کے حوالے سے اختیار نہ تھا جس کی واضح مثال سورۃ تحریم میں بیان شدہ واقعہ ہے جس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حلال کو حرام کرنے کا اختیار آپ کو حاصل نہ تھا۔ ۲۳

حالانکہ رسول اللہ نے شرعاً عقیدہ شہد کو حرام نہ سمجھا بلکہ صرف اپنی ذات کے استعمال کی حد تک حرام کر لیا تھا۔ چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب عام انسانوں سے مختلف تھا اور

آپ کی ذمہ داریاں بھی بہت نازک تھیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہوتا اپنے نتائج اور آثار کے لحاظ سے بہت اہم تھا۔۲۴

بلکہ آپؐ کے لیے تو حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرنا سب سے پہلے ضروری تھا اور قرآن مجید میں بھی یہی شہادت موجود ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے انی امرت ان اکون اوّل من أسلم۲۵۔ (مجھے یہ حکم ملا ہے میں سب سے پہلے تابعداری کروں) اور مقام پر فرمایا انما امرت ان اعبدربّ هذالبلدة الذی حرمها..... وان اتلوا لقرآن.۲۶۔

کہ دو مجھے یہی حکم ملا ہے اس شہر مکہ کے مالک کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم بنایا اور مجھے ہی حکم ملا ہے کہ اس کا حکم بردار رہوں اور یہ بھی کہ قرآن کی تلاوت کروں۔

استثنا سے مبرا

ان واضح جوابات کے پیش نظر رسول اللہ نے انسان کی سیاسی تاریخ میں یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ مہبط وحی اور شارح کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے نفاذ و اطلاق سے اپنے آپ کو بھی مستثنیٰ قرار نہ دیا بلکہ ان احکام کا اطلاق اپنی ذات پر کیا۔ ماخذ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ اپنے خلاف بھی کئی مواقع پر لوگوں کو یہ کہ کر مقدمہ کرنے کی دعوت دی اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی تو اس کا بدلہ مجھ سے لے لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رأیت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقصُّ من نفسه ۔۲۷

''میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ اپنی ذات سے بھی قصاص لیتے تھے۔''

خود احتسابی

طبقات الکبریٰ میں ابن سعد لکھتے ہیں۔

مرض وفات میں رسول اللہ فضل بن عباسؓ کے سہارے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کے حقوق مجھ سے تعلق رکھتے تھے میں ایک انسان ہوں اس لیے جس شخص کی آبرو کو میں نے کچھ نقصان پہنچایا ہو تو یہ میری آبرو موجود ہے اسے بدلہ لینا چاہیے۔ جس شخص جس کو میں نے تکلیف دی ہے تو یہ میرا جسم موجود ہے اس سے بدلہ لے لینا چاہیے جس کے مال کو کچھ نقصان پہنچایا تو یہ میرا مال موجود ہے اس سے لے لے۔ جان لو تم میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والا وہ شخص ہوگا جو کوئی حق رکھتا ہو

مجھ پر اور وہ اسے لے لے یا مجھے بری کر دے تا کہ میں اپنے رب سے اس حالت میں ملوں کے میں اپنے آپ کو بری کر چکا ہوں کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ مجھے انتقام لینے میں رسول اللہ کی عداوت وبغض کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں میری طبعیت وفطرت میں شامل ہی نہیں ہیں جس شخص کا نفس کسی بری بات میں اس پر غالب آ گیا تو اسے بھی مجھ سے مدد لینا چاہیے کہ میں اس کے لیے دعا کروں گا۔ اس موقع پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ آپؐ کے پاس ایک سائل آیا تھا آپؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے کچھ دوں تو میں نے تین درہم دیے تھے آپؐ نے فرمایا سچ ہے اے فضلؓ بن عباسؓ ان کو درہم دے دو۔ ۲۸

ابن اثیر نے لکھا ہے۔

رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا۔ جس کسی کی پشت پر میں نے کوڑا مارا وہ آئے اور بدلہ لے لے۔ ۲۹

ابوداؤد کی روایت ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ کچھ تقسیم فرما رہے تھے اتنے میں سامنے سے ایک شخص آ کر آپؐ کے اوپر گر گیا رسول اللہ کے ہاتھ میں چھڑی تھی اس چھڑی سے آپ نے اسے ہٹا دیا۔ اتفاقاً اس چھڑی کا سرا اس کے منہ پر لگا اور خراش آ گئی تو آپ نے اس شخص کو فرمایا آؤ مجھ سے قصاص (بدلہ) لے لو، اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا۔ ۳۰

یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات اور اسوہ حسنہ کوئی معمولی کردار کا مظاہرہ نہیں تھا اس کے ذریعہ جہاں آپ نے قانون کی بالادستی، حکمرانی کا پوری قوت کے ساتھ نفاذ فرمایا اس کے ساتھ ہی حکمرانوں اور سربراہان مملکت کے خدائی حقوق کی جڑ بھی کاٹ دی اور قیامت تک آنے والے حکمرانوں کیلئے اپنا اسوہ حسنہ مشعل راہ اور ہدایت نامہ چھوڑ گئے۔

اختیارات کا صحیح استعمال یا حدود سے تجاوز نہ کرنا:

آپؐ پوری امت کیلئے بہترین نمونہ عمل ہونے کی بناء پر اپنے وقت میں جن سیاسی و مذہبی احکام پر عمل پیرا ہوئے وہ تمام اور آنے والے زمانوں کیلئے نظیر بن گئے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ آپ کو مقتدر اعلیٰ سے وسیع اختیارات عطا کر دیے گئے تھے اس کے باوجود ماخذ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ قانون ساز حقیقی کے مقرر کیے ہوئے حدود سے سرمو تجاوز نہ کیا اور نہ کر سکتے تھے اسی بناء پر قرآن مجید کی رو سے آپ کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید ہے۔ ۳۱ جب رسول اللہ کی اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے تو دوسرے صاحب امر کیلئے غیر مشروط اطاعت کا حق کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ کسی امر کی

کسی ایسے حکم یا قانون کی پیروی نہیں کی جاسکتی جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔ اس کی وضاحت آپؐ کے ذیل کے ارشادات سے ہوتی ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

لاطاعة فی معصیة الله انما الطاعة فی المعروف.۳۲

اطاعت اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے صرف معروف میں ہے۔

اور مقام پر مزید وضاحت سے ارشاد نبوی

السمع والطاعة علی المرالمسلم فی ما احب وکره مالم یومر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة.۳۳

مسلمان کو لازم ہے اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ وہ اُسے پسند ہو یا نہ ہو تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو اسے نہ سننا لازم ہے اور نہ ماننے کا بھی وہ پابند ہو۔

درج بالا احادیث سے واضح ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریاست میں حیثیت مطلق العنان، خودمختار حاکم کی نہ تھی بلکہ اللہ کی حاکمیت کے تابع اور اس کے حکم کے پیرو تھے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص دائرہ کے اندر تصرف کا حق حاصل تھا۔ جو کہ ذاتی نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ تھا اور بالعموم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں استعمال کرتے تھے جہاں قرآن خاموش ہو۔۳۴ اجتہاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ قرآن سے بعد کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن بعد میں آنے والوں کیلئے پابندی ہے کہ وہ قانون سنت سے بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم معنی ہے۔۳۵ قرآن مجید کی رو سے پوری امت مسلمہ کیلئے اطاعت رسول واجب ہے اور یہ اصول متعین ہو گیا ہے۔ کہ اول الذکر کی اطاعت مشروط بہ اطاعت الٰہی ہوگی اور اولی لامر سے اختلاف کی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی فیصلہ طلب کیا جائے گا۔۳۶ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر اور انواہی کی مکمل پیروی کی جائے گی۔۳۷ مختصر یہ کہ کسی نظام حکومت کا اصلی حسن ومعراج یہ ہے کہ حکمران اپنے ذاتی حقوق ومعاملات میں عوام کے مساوی ہوں اور کسی قسم کا امتیاز یا استثناء اسے حاصل نہ ہو۔ اور عام شہری زندگی میں بھی کوئی امتیاز اس وجہ سے حاصل نہ ہو کہ وہ حکمران ہے۔ اس کے اختیارات کی حدود مقرر ہوں اور باشندگان ریاست اس پر تنقید اور احتساب کرنے میں آزادی کا حق رکھتے ہوں۔ یہ تمام اصول ایک سیاسی نظام کو صحت مند بنانے میں

نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کو پوری فعالیت کے ساتھ عہد رسالت میں صرف اپنایا ہی نہیں گیا بلکہ عروج کمال تک پہنچایا گیا۔

اظہار رائے اور اختلاف رائے کی آزادی:

عہد رسالت میں حکمران اور عوام کے تعلقات کی نوعیت جبر و استبداد یا آمریت کے نظام سے مکمل مختلف تھی۔ جس طرح ریاست کے باشندوں پر اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری اور واجب تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی اور تعاون ہر فرد اسلامیت پر لازم تھا اسی طرح رسول اللہ کیلئے بھی لازم تھا کہ ہمہ وقت باشندگان ریاست کی فلاح و بہبود کیلئے سرگرم عمل رہیں اور اگر ان کو شکایات پیدا ہوں تو ان کو رفع کریں یا آپؐ پر کوئی اعتراض کریں تو انہیں آپ مطمئن کریں۔ چنانچہ ماٰخذ سیرت سے اس کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔

عہد نامہ حدیبیہ 06 ہجری کے موقعہ پر صحابہ کرام کے بے چینی خصوصاً حضرت عمرؓ کا بے باکانہ سوال کرنا اور آپ کا جواب دے کر اسے مطمئن کرنا[۳۸] اسی طرح غزوہ حنین میں فتح کے بعد تقسیم غنائم کے حوالہ سے کچھ انصار کو شکایات پیدا ہوئیں تو آپؐ نے اس صورت حال کو فوری کنٹرول کرتے ہوئے۔ پیدا ہونے والے مسئلہ کو پوری سنجیدگی کے ساتھ حل کیا اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں وضاحتیں فرما کر انصار کو مطمئن کر دیا۔[۳۹]

مختصراً یہ کہ عہد نبوی میں لوگوں کو اظہار رائے اور اختلاف رائے کی مکمل آزادی تھی البتہ اس امر کی وضاحت کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض و تنقید کرنے میں بے لگام نہ تھے بلکہ رسول اللہ سے دریافت کر رہے تھے کہ آپ کا یہ فیصلہ کس حیثیت سے ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ مثلاً غزوہ بدر 2 ہجری کے موقع پر آپؐ نے ایک جگہ کا پڑاؤ ڈالنے کیلئے انتخاب کیا۔ لیکن بعد میں حضرت حبابؓ بن منذر کے وضاحتی سوال پر معلوم ہوا کہ آپؐ نے از خود جگہ کا انتخاب فرمایا ہے۔ تاہم حضرت حبابؓ کے مشورہ پر دوسری جگہ کا انتخاب فرمایا۔[۴۰]

اور یوں بامقصد رائے اور نتیجہ امیر، مشورے اور اجتماعی مفاد کے لئے کسی بھی صحابی کی رائے کو حالات کی ضرورت کے پیش نظر اہمیت دی جاتی، اسی لئے مساوات اور اجتماعیت کا شعور سب افراد میں موجزن تھا۔

وزارت کیلئے باصلاحیت افراد کا انتخاب، عہدہ طلب کرنے والوں کی حوصلہ شکنی:

رسول اللہ نے بحیثیت سربراہ مملکت و حکمران حکومتی عہدوں پر، خدا ترس، باصلاحیت، پاکیزہ کردار

کے حامل اور مخلص افراد کا تقرر کیا جو اسلام کی روح سے واقف دین حق کے مزاج شناس، راہ حق میں مصائب برداشت کرنے والے، تجربہ کار اور مکمل تربیت یافتہ تھے۔ اور جملہ عہدے داروں کو یہ بات باور کرائی کہ یہ حکومتی عہدے اور مناصب حصول عزت و جاہ کیلئے یا کسب دنیا کیلئے نہیں ہیں۔ لہذا ان کے حصول کی جدوجہد اور تمنا بھی درست نہیں بلکہ غیر مستحسن کام ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔

انا واللہ لا نولی ھذا احدا سالہ او حرص علیہ۔۴۱

''خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس عہدہ کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص و مستحق ہو''

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ان اخونکم عندنا من طلبہ۔۴۲

''ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن شخص وہ ہے جو اس کا طالب ہو''

ایک بار جب حضرت ابوذرؓ نے حکومتی عہدے پر تقرری کی درخواست کی تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''اے ابوذرؓ یہ ایک بھاری امانت ہے اور تم ایک کمزور آدمی ہو قیامت کے دن یہ امانت، ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگی مگر اس شخص کیلئے نہیں جو اس کے حق کے ساتھ اس کو اٹھائے اور اس سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں ان کو ادا کرے۔''۴۳

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو آپ نے ذیل کے الفاظ میں ہدایت فرمائی:

یا ابا عبدالرحمان لا تسئل الامارۃ فانک عطیتھا عن مسئلۃٍ و کلت فیھا الیٰ نفسک وان اعطیتھا غیر مسئلۃٍ اعنت علیھا۔۴۴

اے عبدالرحمان! امارت کے طالب نہ بنو، اگر یہ بن مانگے مل جائے تو اس کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر اس کو خود مانگ کر حاصل کرو گے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے ایک طرف تو عہدوں کے لالچ حرص وطمع کی تحریک کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف لوگوں کی نفسیاتی اصلاح کر کے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ عہدوں کے حصول کی غرض سے ازخود پیش ہونے والا یا تو ان منصبوں کے تقاضوں سے ناواقف ہے اور یا ان سے غیر معمولی منفعت کا حصول اس کے پیش نظر ہے۔

بناء بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہدوں، مناصب اور وزارتوں کو آدمی کے حقوق کی فہرست میں شامل کرنے کی بجائے اس کو امانت کی حیثیت دی اور اپنے عہد میں انہی لوگوں کا انتخاب کیا اور تقرر کیا جو اس بار امانت کو اٹھا سکتے تھے۔

قرآن کی ذیل کی آیت سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تودّوا الا مانت الی اھلھا.۴۵

''اور اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو''

امام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ادائے امانت کی دو قسمیں ہیں۔ امانت فی الاموال، آیت بالا امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کا شان نزول بھی ہے۔۴۶ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا:

''جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر آ سکتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا کسی دوسرے شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور مومنوں سے خیانت کی۔''۴۷

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کارکنان ریاست کی تقرری، ارباب حل وعقد کے تعین اور والیان کے انتخاب کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول ہی تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلیدی عہدوں پر اس شخص کو ہی مقرر فرماتے جو واقعتاً اس کا مستحق ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم.۴۸

(اللہ کے نزدیک تم میں معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے) کی روشنی میں۔ تقوی کا حامل، دین وشریعت کا عالم صاحب بصیرت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عامل ریاست اور عوام دونوں کا خیر خواہ اور معاملات کو عدل وانصاف سے انجام دینے کا اہل ہو۔۴۹ یہ اصول جہاں رسول اللہ کی سیاسی بصیرت، نکتہ رسی، معاملہ فہمی اور افراد کے ذہنی ونفسیاتی مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ قیامت تک آنے والے حکمرانوں اور سربراہان مملکت اور مناصب پر فائز والیان کیلئے نمونہ عمل بھی ہیں اور باعث ارتقاء بھی۔

اسلامی افکار ونظریات، عصری سیاسی اور حکومتی نظاموں کے لیے روشن دلیل کی صورت میں موجود ہیں۔ جن سے حقیقی، فلاحی اور جمہوری ریاست کا احیاء ممکن ہے اور حکمران سیادت وقیادت کے لیے عوامی خدمت کو اولین نصب العین اور منشور بنائیں گے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ مودودی۔سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست ص 213، اسلامک پبلیکیشنز لاہور 1967ء

2۔ شیروانی، ہارون خان، سیاست کے اصول چھ اول ص 53، طبع علی گڑھ 1953ء

3۔ ایضاً 4۔ الزمر 06/39

5۔ المائدہ 44/5 6۔ المائدہ 47/5

7۔ المائدہ 47/5 8۔ الاعراف 54/7

9۔ الفاتحہ 1/1 10۔ الناس 1/114

11۔ الناس 2/114 12۔ البقرۃ 255/2

13۔ الانبیاء 22/21

14۔ البقرۃ 107/2، آل عمران 26/3، المائدہ 120/5، الاعراف 158/7، التوبہ 116/9، النور 42/24، الفاطر 13/35

15۔ التین 8/95، ھود 23/11، اعراف 87/7، یوسف 80/12، یونس 109/10

16۔ الشوریٰ/ 11

17۔ البقرۃ 151,129,127/2، ال عمران 164/3، الجمعۃ 2/62

18۔ الاحزاب 21/33، آل عمران 32,31/3

19۔ النحل 64،44/16

20۔ النساء 59/4، 105، الشوریٰ 15/42

21۔ النساء 105/4

22۔ النحل 64/16، النساء 65/4

23۔ التحریم 66/ 1 تا 3۔ بخاری الجامع الصحیح۔ کتاب التفسیر حدیث نمبر 4911، 4912

24۔ الاحزاب 31,30/33، (قرآن نے ازواج مطہرات کو عام عورتوں کی نسبت زیادہ عذاب اور دوہری بشارت اجر دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا ہر عمل نازک ترین حیثیت رکھتا تھا)

25۔ النحل 92,91/16

26۔ ابو یوسف۔ قاضی، یعقوب بن ابراہیم۔ کتاب الخراج ص 115۔ المطبعۃ السلفیہ ومکتبھا قاھرۃ، مصر 1352ھ

27۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبری، ج 2 ص 255۔ طبع بیروت

28۔ ایضاً

29۔ ابن اثیر، عزالدین: الکامل فی التاریخ، ج 2 ص 319۔ طبع بیروت 1965ء

30۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث: السنن، کتاب الدیات، باب القود من الضربۃ وقص الامیر من نفسیہ حدیث نمبر 4536

31۔ الممتحنہ /12

32۔ بخاری، الجامع الصحیح۔ کتاب الاحکام، حدیث نمبر 7145

33۔ ایضاً، باب السمع والاطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، حدیث نمبر 7144

34۔ جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، ج2، ص50، طبعۃ البہیہ، مصر 1347ھ

35۔ النساء 80/4

36۔ النساء 65,60,59/4، البقرہ 213/2، النحل /64

37۔ الحشر /7

38۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، ج3 ص 331، تحقیق وشرح معطفی السقاء ابراھیم الابیاری عبدالحفیظ شلبی، مطبعۃ المعطفی البابی الحلبی واولادہ مصر 1936ء

39۔ ایضاً ج3 ص 142

40۔ ایضاً ج2 ص 272، ابن عربی، احکام القرآن، ج2 ص 299، داراحیاء الکتب العربیہ مصر 1957ء

41۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، حدیث نمبر 7149

42۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئے والامارۃ، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، حدیث نمبر 2930

43۔ الخطب العمری التبریزی، مشکوۃ المصابیح ص 320، اصح المطابع کراچی، 1368ھ

44۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئے، حدیث نمبر 2929

45۔ النساء 58/4

46۔ ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، ص 110، مکتبہ انصار السنۃ المحمدیہ مطبعۃ دارالجہاد، قاھرۃ، مصر 1961ء

47۔ بحوالہ بالا ابن تیمیہؒ نے حدیث مذکور اسی مقام پر نقل کی ہے۔

48۔ الحجرات /13

49۔ خطیب العمری، مشکوۃ المصابیح۔ ص 32

☆☆☆☆☆